بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی ۱ پردیس میں سادات پہ آفت عجب آئی
فریاد کناں روحِ امیرِ عرب آئی   غل تھا کہ شبِ قتلِ شہِ تشنہ لب آئی
سادات کو کیا کیا غمِ جانکاہ دکھائے
رات ایسی مصیبت کی نہ اللہ دکھائے

کاغذ پہ لکھے کیا قلم اُس شب کی سیاہی ۲ ہے چار طرف جس کی سیاہی سے تباہی
مُرغانِ ہوا بر میں طپاں، بحر میں ماہی   تربت سے نکل آئے تھے محبوبِ الٰہی
فریاد کا تھا شور رسولانِ سلف میں
یثرب میں تزلزل تھا، اداسی تھی نجف میں

صدمے سے ہوا رنگ رخِ ماہ کا کافور ۳ اختر بھی بنے مردُمکِ دیدۂ بے نور
غم چھا گیا راحت دلِ عالم سے ہوئی دور   تصویرِ الم بن گئی جنت میں ہر اک حور
کہتے تھے ملک رات نہ ہووے گی اب ایسی
تاروں نے بھی دیکھی نہ تھی تاریک شب ایسی

شمعِ طربِ محفلِ عالم تھی جو خاموش ۴ تھی رات بھی شبیرؑ کے ماتم میں سیہ پوش
کیا غم تھا کہ شادی تھی ہر اک دل کو فراموش ہر چشم کو تھا غم میں سمندر کی طرح جوش
مضطر تھے علیؑ، اشکوں سے منہ دھوتی تھی زہراؑ
مقتل تھا جہاں شاہ کا، واں روتی تھی زہراؑ

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہِ والا ۵ آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی، نہ شمعوں کا اجالا خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اُڑتی تھی منہ پر حرمِ شیرِ خدا کے
تھا چیں بہ جبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

جنگل کی ہوا اور درندوں کی صدائیں ۶ تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں
دھڑکا تھا کہ دہشت سے کہیں جانیں نہ جائیں روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے
جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

بچوں کے بلکنے پہ حرم کرتے تھے زاری ۷ غش ہوگئی تھی بالی سکینہؑ کئی باری
چلّاتی تھی رو رو کے وہ شبیرؑ کی پیاری یا حضرت عباسؑ چلی جان ہماری
افسوس کہ پانی کا تو قطرہ نہیں گھر میں
اور آگ لگی ہے مرے ننھے سے جگر میں

تھی سب سے سوا بنتِ علیؑ مضطر و بے تاب ۸ فق ہو گیا تھا شام سے منہ صورتِ مہتاب
مژگاں سے رخِ پاک پہ تھی بارشِ خوناب تلوار کلیجے پہ چلے جب تو کہاں تاب
اک کرب تھا بسمل کی طرح جانِ حزیں پر
اٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

کہتی تھی کبھی آج پیمبرؐ نہیں ہے ہے ۹ حال اپنا دکھاؤں کسے، حیدرؑ نہیں ہے ہے
بیٹی پہ فلک ٹوٹا ہے، مادر نہیں ہے ہے شبیرؑ مصیبت میں ہے، شبرؑ نہیں ہے ہے
دیکھا نہ سنا یہ جو ستم آج ہے لوگو
نازوں کا پلا پانی کو محتاج ہے لوگو

در پیش ہے کل فوج ستمگر سے لڑائی ۱۰ یاں تھوڑے سے پیاسے ہیں، اُدھر ساری خدائی
بے سر دیئے رن سے نہ پھرے گا مِرا بھائی ہوجائے گی حیدرؑ کے بھرے گھر کی صفائی
اس غم سے سدا اشکوں سے منہ دھوتی تھیں امّاں
کل دن ہے وہ جس دن کے لئے روتی تھیں امّاں

تھے دوسرے خیمے میں اُدھر سبطِ پیمبرؐ ۱۱ دربار میں حاضر تھے رفیقانِ دلاور
اک پہلو میں قاسمؑ تھے اور اک پہلو میں اکبرؑ اکبرؑ کے ادھر، لختِ دلِ زینبؑ مضطر
شبّیرؑ محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباسِؑ علی سامنے بیٹھے تھے ادب سے

سرگرم تھے مرجانے پہ سب شاہ کے انصار ۱۲ عباسؑ سے یہ کہتا تھا وہ کُل کا مددگار
تم رہیو ذرا خیمۂ ناموس سے ہشیار ڈر ہے نہ کرے بے ادبی لشکرِ کُفّار
بے دینوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شب خوں جو اُدھر سے ہوتو کچھ دور نہیں ہے

یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی ۱۳ اے چاند یداللہ کے شب دوپہر آئی
حضرت کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی دل یادِ خدا کرنے لگا چشم بھر آئی
فرمایا بڑا اجر ہے بیداریٔ شب کا
اے تشنہ لبو! وقت ہے یہ طاعتِ رب کا

اب عمر بھی آخر ہے نمازیں بھی ہیں آخر ۱۴ بے توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مسافر
ہر وقت ہے ربِّ دوجہاں حاضرو ناظر اجر اُن کا مُضاعف ہے، جو ہیں صابر وشاکر
مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلاکو
بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

نام اُس کا رہے وِرد، سفر ہو کہ حَضَر ہو ۱۵ موجود سمجھ لے اُسے جنگل ہو کہ گھر ہو
سجدے ہی کرے، دکھ میں، کہ راحت میں بسر ہو تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں سحر ہو
عشق گُلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھُولے
معشوق کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھُولے

چومے لبِ سوفار جو سینے میں لگیں تیر ۱۶ دم عشق کا بھرتا رہے زیرِ دمِ شمشیر
زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشنِ توقیر تکبیر کا نعرہ ہو زباں پر دمِ تکبیر
کٹنے میں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے
ہر رنگ میں بُو الفتِ اللہ کی نکلے

شہ نے سخنِ معرفتِ حق جو سنائے ۱۷ اشک آنکھوں میں ہر عاشقِ صادق کی بھر آئے
کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے سجّادے وہیں لا کے دلیروں نے بچھائے
تکبیریں ہوئیں لشکرِ اللہ و نبیؐ میں
سب محو ہوئے یادِ جنابِ اَحَدی میں

تسبیح کہیں تھی، کہیں سجدے، کہیں زاری ۱۸ تھا صَوتِ حسنؑ سے کوئی قرآن کا قاری
کرتا تھا کوئی عرض کہ یا حضرتِ باری اب صبح کو عزت ہے ترے ہاتھ ہماری
حُرمت سے شریکِ شُہدا کیجیو یارب
تو حوصلۂ صبر عطا کیجیو یارب

ہم ہیں ترے محبوب کے پیارے کے مددگار ۱۹ مرنے کے لئے آئے ہیں یاں چھوڑ کے گھر بار
یہ بندۂ بیکس ہے مصیبت میں گرفتار کر رحم کہ ہے ذات تری راحم و غفار
فاقوں کے سبب جسم کی طاقت میں کمی ہے
تجھ سے طلبِ قوتِ ثابت قدمی ہے

بے کس ہیں، مسافر ہیں، وطن دور ہے، گھر دور ۲۰ ہفتم سے ہمیں گھیرے ہے یہ لشکرِ مقہور
تیروں سے ہوں غربال، کہ تیغوں سے بدن چُور احمدؐ کے نواسے سے جدائی نہیں منظور
پھر منہ کسے دکھلائیں جو سردار کو چھوڑیں
کیونکر ترے مقبول کی سرکار کو چھوڑیں

مَردوں کے لئے ننگ ہے تلواروں سے ڈرنا ۲۱ راحت ہو کہ ایذا، یہیں جینا، یہیں مرنا
تو چاہے تو مشکل نہیں کچھ سر سے گزرنا اے کُل کے مددگار مدد جنگ میں کرنا
فاقوں میں ہزاروں سے وغا ہو تو مزا ہے
کچھ حقِّ نمک ہم سے ادا ہو تو مزا ہے

کرتے تھے مناجات اُدھر یاور و انصار ۲۲ پڑھتے تے نمازِ شب اِدھر سیدِ ابرار
تھی نیّتِ تسبیحِ بتولِ جگر افگار آوازِ بکا خیمے سے آنے لگی اک بار
اکبرؑ سے اشارہ کیا مڑ کر کہ یہ کیا ہے
کی عرض پھوپی جان کے رونے کی صدا ہے

یوں تو کئی راتوں سے وہ ہیں مضطر و بے تاب ۲۳ راحت کی نہ صورت ہے، نہ آرام کا اسباب
غش میں جو ذرا بند ہوئے دیدۂ پُر آب روتی ہوئی چونکی ہیں ابھی دیکھ کے کچھ خواب
نعلین کہیں، چادرِ پُر نور کہیں ہے
اُس وقت سے بسمل کی طرح چین نہیں ہے

۲۴ ایک ایک کو اندیشہ ہے، ایک ایک کو وَسواس سب بیبیاں ہیں اور ہیں بچوں کو لئے پاس
لوگو مجھے شبیرؑ کے بچنے کی نہیں آس جو پوچھتا ہے وَجہ تو کہتی ہیں بصد یاس
مانگو یہ دعا غیب سے بے کس کی مدد ہو
صدقے کرو مجھ کو کہ بلا بھائی کی رد ہو

۲۵ اشکوں کی جھڑی آنکھوں سے تھمتی نہیں اک دم ان کا تو یہ احوال ہے ،امّاں کا یہ عالم
شش ماہ کا بچہ بھی ہوا جاتا ہے بے دم اصغرؑ کی بھی ہے فکر، سکینہؑ کا بھی ہے غم
گودی میں اٹھائیں اُسے یا اِس کو سنبھالیں
دو روز کے فاقے میں وہ کس کس کو سنبھالیں

۲۶ گہوارۂ اصغرؑ پہ کبھی گرتی ہیں آکر روآتی ہیں عابدؑ کے سرہانے کبھی جاکر
بہلاتی ہیں بیٹی کو کبھی اشک بہا کر قرآں کی ہوا دیتی ہیں غش میں اُسے پاکر
وہ کہتی ہے تا صبح یونہی رووٗں گی اماں
بابا ہی جب آویں گے تو میں سووٗں گی اماں

۲۷ اب رات بہت کم ہے پدر کیوں نہیں آتے بتلاوٗ شہِ جنّ و بشر کیوں نہیں آتے
کیا آج وہیں سوئیں گے گھر کیوں نہیں آتے آزردہ ہیں کچھ مجھ سے اِدھر کیوں نہیں آتے
اب پیاسوں کی فریاد بھی بابا نہیں سنتے
حضرت مِرے رونے کی صدا کیا نہیں سنتے

۲۸ پڑھتے ہوئے تسبیح گئے حضرتِ شبیرؑ روکر علی اکبرؑ نے جو کی شہ سے یہ تقریر
قدموں پہ محبت سے گری دوڑ کے ہمشیر دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر
بیتاب جو پایا بہت اس تشنہ دہن کو
شبیرؑ نے لپٹا لیا چھاتی سے بہن کو

۲۹ نہ سر پہ عِصابہ ہے، نہ چادر ہے، نہ رومال فرمایا بہن تم نے بنایا ہے یہ کیا حال
پیٹو نہیں جیتا ہے ابھی فاطمہؑ کا لال ماتھا ہے بھرا خاک سے، بکھرے ہوئے ہیں بال
دم تن سے مِرا گھُٹ کے نکل جائے گا زینبؑ
رو لیجیو جب رونے کا وقت آئے گا زینبؑ

۳۰ یہ کرب، یہ دکھ درد، یہ زاری، یہ تظلُّم جیتا ہوں میں اور آہ ابھی سے یہ تلاطُم
خنجر کے تلے دیکھو گی کس طرح مجھے تم ہوتے ہیں مرے ہوش وحواس آئے ہوئے گُم
بس صبر کرو جی سے گزر جائیں گے بچے
تڑپو گی تم اس طرح تو مرجائیں گے بچے

۳۱ سینہ ابھی تیروں سے مُشبَّک نہیں خواہر تلوار کسی نے ابھی تولی نہیں مجھ پر
مرجائے گا بھائی تمھیں ثابت ہوا کیونکر گردن پہ کسی نے ابھی پھیرا نہیں خنجر
ہر چند کہ ساعت نہیں ٹلتی ہے قضا کی
بچ جاؤں تو کیا دُور ہے قدرت سے خدا کی

۳۲ بھائی تمھیں اللہ اس آفت سے بچائے زینبؑ نے کہا خوش ہوں جو میری اجل آئے
بھائی کی بلا لے کے بہن خلق سے جائے خالق مجھے عابد کی یتیمی نہ دکھائے
وَسواس طبیعت کو بہلنے نہیں دیتا
بے چین ہے دل مجھ کو سنبھلنے نہیں دیتا

۳۳ ہر وقت بھرا گھر نظر آجاتا ہے ویران آتا ہے سکینہؑ کی یتیمی کا مجھے دھیان
پھر جاتا ہے آنکھوں کے تلے مَوت کا سامان سمجھانے سے کچھ دل جو بہلتا ہے میں قربان
بازو مرے کسنے کو رسن لاتا ہے کوئی
سر پر سے ردا کھینچے لئے جاتا ہے کوئی

منہ ڈھانپ کے بستر پہ جو سو جاتی ہوں دم بھر ۳۴ تو چاک گریباں نظر آتے ہیں پیمبرؐ
امّاں کبھی چلّاتی ہیں یو کھولے ہوئے سر بیٹی نہ بچے گا ترا مظلوم برادر
کیا لیٹی ہے بستر پہ کدھر دھیان ہے زینبؑ
شبیرؑ اِسی رات کا مہمان ہے زینبؑ

یہ ذکر ابھی تھا کہ سکینہؑ نے پکارا ۳۵ سونا تو گیا آپ کے ہمراہ ہمارا
میں جاگتی ہو ں اور جہاں سوتا ہے سارا گردوں پہ چمکنے نہ لگے صبح کا تارا
نیند آئی ہے بیٹی کو سُلا جایئے بابا
بس ہو چکیں باتیں اب اِ دھر آیئے بابا

حضرت نے کہا میں تری آواز کے قربان ۳۶ اللہ، تم اب تک نہیں سوئی ہو مری جان
غربت میں کہاں راحت و آرام کا سامان بن باپ کے تم کو تو نہیں چین کسی آن
اچھی نہیں عادت یہ، نہ رویا کرو بی بی
پہلو میں کبھی ماں کے بھی سویا کرو بی بی

کیا ہوئے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں ۳۷ مجبور ہوں ایسے کہ تمھیں چھوڑ کے جائیں
تم پاؤ نہ ہم کو، نہ تمھیں ہم کہیں پائیں بی بی کہو پھر چھاتی پہ کس طرح سُلائیں
جنگل میں بہت قافلے لٹ جاتے ہیں بی بی
برسوں جو رہے ساتھ وہ چھُٹ جاتے ہیں بی بی

جب عمر تھی کم، ہم بھی چھُٹے تھے یونہی ماں سے ۳۸ سوتے تھے لپٹ کر یونہی خاتونِ جناں سے
کوچ اُن کا ہوا سامنے آنکھوں کے جہاں سے ماتم سے ملیں وہ، نہ بُکا سے، نہ فغاں سے
یہ داغ، یہ اندوہ و اَلم سب کے لئے ہیں
ماں باپ زمانے میں سدا کس کے جیے ہیں

کوچ آج پدر کا ہے تو کل جائے گا فرزند ۳۹ رستہ وہ اجل کا ہے کہ ہوتا ہی نہیں بند
کیا زور ہے بندے کا، جو مرضیٔ خداوند ہوتا ہے قلق فرقتِ اولاد میں دہ چند
جو آئے ہیں دنیا میں وہ سب کوچ کریں گے
اس زیست کا انجام یہی ہے کہ مریں گے

گلدستۂ اسلام پہ بلبل نے فغاں کی ۴۰ یہ کہتے تھے حضرت کہ صدا آئی اذاں کی
تلوار چلی گلشنِ انجم پہ خزاں کی اک دم میں بہار اور ہوئی باغِ جہاں کی
مہتاب ہوا گُم، فلکِ نیلو فری سے
پھولا گُلِ خورشید نسیمِ سحری سے

مرغانِ چمن کا وہ درختوں پہ چہکنا ۴۱ گرمی کی سحر اور وہ پھولوں کا مہکنا
وہ سرد ہَوا اور وہ سبزے کا لہکنا انجم کا وہ چُھپنا کبھی اور گاہ چمکنا
اُس دشت میں روتی تھی جو شبنم شہِ دیں پر
تھا موتیوں کا فرش زمرّد کی زمیں پر

دلچسپ صدا نوبت و شہنا کی وہ باہم ۴۲ جلو ہ وہ دمِ صبح کا، وہ نور کا عالم
وہ گل کے کٹوروں پہ گل افشانئ شبنم سرخی وہ شفق کی اُفق ِ چرخ پہ کم کم
خشکی میں بھی سردی سے ترائی کا سماں تھا
پر مالکِ گلزارِ جہاں تشنہ دہاں تھا

یاں فرض ادا کرنے لگے عاشقِ قیوم ۴۳ لشکر میں اُدھر مورچہ بندی کی ہوئی دھوم
صف بستہ ملائک ہیں، یہی ہوتا تھا معلوم پیچھے تو جماعت تھی اور آگے شہِ مظلوم
سب ساجد و راکع تھے شہنشاہ کے ہمراہ
تاباں تھے بہتّر مہِ نو ماہ کے ہمراہ

خیمہ تھا فلک، آپ قمر، دوست ستارے ۴۴ تارے بھی وہ، تاروں کو فلک جن پہ اُتارے
خم ہوگیا تھا پیرِ فلک شرم کے مارے کہتی تھی زمیں اوج ہے طالع کو ہمارے
خورشید نہیں، روشنیٔ نیّرِ دیں ہے
خود عرش کو دھوکا تھا یہ میں ہوں کہ زمیں ہے

جو صف ہے وہ اِک سطر ہے قرآنِ مبیں کی ۴۵ دیوار ہے قبلے کی طرف کعبۂ دیں کی
کیا خوب جماعت ہے یہ اربابِ یقیں کی افلاک کی زینت ہے تو رونق ہے زمیں کی
کس طرح شہنشاہ سے وہ فوج جدا ہو
مشکل ہے کہ دریا سے کہیں موج جدا ہو

اس دم تھی یہ آواز پسِ پردۂ قدرت ۴۶ اے قُدسیو دیکھو مِرے بندوں کی عبادت
نہ پیاس کا شکوہ ہے، نہ فاقوں کی شکایت یہ زُہد، یہ تقویٰ، یہ اطاعت، یہ ریاضت
کونین میں یہ صاحبِ اقبال وشرف ہیں
عالم ہوں کہ ان لوگوں کے دل میری طرف ہیں

کس عجز سے آگے مرے حاضر ہیں یہ بندے ۴۷ دیکھو مرے محبوب کے ناصر ہیں یہ بندے
مظلوم ہیں، بیکس ہیں، مسافر ہیں یہ بندے تھوڑے نہ ہوں کس طرح کہ شاکر ہیں یہ بندے
صادق ہیں، ولی سے مرے ان سب کو وِلا ہے
ان کا وہ صلہ ہے جو رسولوں کو ملا ہے

پُرسش نہ لحد میں، نہ حساب ان کے لئے ہے ۴۸ یہ لائقِ رحمت ہیں، ثواب ان کے لئے ہے
موتی سے جو ہے صاف وہ آب ان کے لئے میں جس کا ہوں ساقی، وہ شراب ان کے لئے ہے
اس نخلِ ریاضت کے ثمر اِن کو ملیں گے
جو عرش کے نیچے ہیں وہ گھر ان کو ملیں گے

فارغ جو صلوٰۃِ سحری سے ہوئے دیندار ۴۹ پوشاک پہننے کو اُٹھے سیدِ ابرار
فرمانے لگے حضرتِ عباسؑ علمدار ہاں غازیو، اب تم بھی سجو جنگ کے ہتھیار
قرباں تمھیں ہونا ہے محمدؐ کے پسر پر
کمروں کو کسو گلشنِ جنت کے سفر پر

آمادۂ شر لشکرِ کفار ہے کل سے ۵۰ ہونا ہے تمھیں آج ہم آغوش اجل سے
درپیش ہے جنگ وجدل اس فوج کے دل سے آقا بھی کوئی دم میں نکلتے ہیں محل سے
ہاں صف شکنو! وقت ہے نصرت کی دعا کا
کُھلتا ہے پھریرا علمِ فوجِ خدا کا

ہم لوگ اسی روز کے مشتاق ہیں کب سے ۵۱ اب ہوگی ملاقات شہنشاہِ عرب سے
سیدانیاں تم سب کو دعا دیتی ہیں شب سے صف باندھ کے آؤ درِ دولت پہ ادب سے
فردوس میں نانا سے حضور آج ملیں گے
کوثر پہ تمھیں خلعتِ نور آج ملیں گے

اس مُژدہ کو سنتے ہی مسلّح ہوئے غازی ۵۲ اَصطَبل سے آنے لگے جرّاروں کے تازی
شیرِ صفِ جنگاہ تھا ایک ایک نمازی نعرے تھے کہ قربانِ شہنشاہِ حجازی
ڈیوڑھی پہ شگفتہ تھا چمن خلدِ بریں کا
خیمہ میں تلاطُم تھا وداعِ شہِ دیں کا

تھے گِرد حرم، بیچ میں وہ عاشقِ حق تھا ۵۳ مانندِ سحر رنگ ہر اِک بی بی کا فق تھا
بانوئے دوعالم کا جگر سینے میں شق تھا زینبؑ یہ تڑپتی تھی کہ حضرت کو قلق تھا
شبیرؑ کے پہلو سے نہ ہٹتی تھی سکینہؑ
بڑھتے تھے تو دامن سے لپٹتی تھی سکینہؑ

شہ کہتے تھے بی بی ہمیں اب جانے دو گھر سے ۵۴ سینہ مرا شق ہوتا ہے لپٹو نہ پدر سے
وہ کہتی تھی سایہ جو یہ اٹھ جائے گا سر سے ہے ہے میں تمھیں ڈھونڈ کے لاؤں گی کدھر سے
بیٹی کا سوا آپ کے کوئی نہیں بابا
شب بھر میں اسی خوف سے سوئی نہیں بابا

سمجھاتے تھے حضرت کہ میں صدقے مری پیاری ۵۵ میداں سے ابھی آئیں گے ہم تو کئی باری
وہ کہتی تھی میں آپ کی مظلومی کے واری ساماں نظر آتا ہے یتیمی کا ہماری
درپیش لڑائی نہیں گر فوجِ شقی سے
کیوں آپ سفارش مری کرتے تھے پھوپی سے

اس آپ کے جانے سے تو ثابت ہے نہ آنا ۵۶ کیوں کہتے تھے زینبؑ اِسے چھاتی پہ سُلانا
بانوؑ مرے پیچھے نہ سکینہؑ کو رُلانا پانی جو میسّر ہو تو پیاس اس کی بجھانا
بہلائیو جب رو کے مجھے یاد کرے گی
تڑپوں گا لحد میں جو یہ فریاد کرے گی

میں سنتی تھی عابد سے جو کچھ کی تھی وصیّت ۵۷ اس گھر کی تباہی کی خبر دیتے تھے حضرت
ہے ہے یہ مری عمر، یہ صدمہ، یہ مصیبت لے لو مجھے ہمراہ، گوارا نہیں فرقت
ساتھ آپ کے جاؤں گی جو اِس دارِ محن سے
کوئی مری گردن تو نہ باندھے گا رسن سے

نادان کی ان باتوں پہ گھر روتا تھا سارا ۵۸ ماتم میں کسی دل کو نہ تھا صبر کا یارا
حضرت کو بھی بیٹی کی نہ فرقت تھی گوارا ڈیوڑھی تک اسے گود سے اپنی نہ اتارا
جس دم وہ چھٹی، جیتے ہی جی مر گئے شبیرؑ
کس درد سے روتے ہوئے باہر گئے شبیرؑ

جس دم درِ دولت پہ امیرِ اُمم آیا ۵۹ پیٹے یہ حرم گھر میں کہ ہونٹوں پہ دم آیا
تسلیم کو اسلام کا لشکر بہم آیا کس صَولت و اقبال و حشم سے علم آیا
جاتی تھی لچکنے میں ضیا عرش تک اُس کی
خورشید کو پنجے میں لئے تھی چمک اس کی

آپس میں یہ کہتے تھے رفیقانِ دلاور ۶۰ دیکھیں یہ ہُما سایہ فگن ہوتا ہے کس پر
اکبرؑ کے تو ہے نام پہ سالاریٔ لشکر عباسؑ کو دیں گے شہِ دیں منصب جعفرؑ
اک عشق ہے اس شیر سے سلطانِ اُمم کو
بھائی کو کبھی دیکھتے ہیں گاہ علم کو

زینبؑ کے پسر کرتے تھے یہ مشورہ باہم ۶۱ کیوں بھائی علم لینے کو ماموں سے کہیں ہم
تائیدِ خدا چاہیے گو عمر میں ہیں کم عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم
واقف ہیں سبھی حیدرؑ و جعفرؑ کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہیں ہم دونوں طرف سے

دادا بھی علمدار ہے، نانا بھی علمدار ۶۲ ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہیں زنہار ہیں بادشہِ کون و مکاں مالک و مختار
عہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
چُپکے رہو امّاں نہ کہیں سُن کے خفا ہوں

مطلب نہ علم سے، نہ حشم سے ہمیں کچھ کام ۶۳ مِٹ جائیں نشاں، بس یہی عہدہ ہے، یہی نام
یہ سر ہوں نثارِ قدمِ شاہِ خوش انجام عزت رہے بھائی، یہ دعا ہے سحر و شام
آقا جسے چاہیں علمِ فوجِ خدا دیں
مشتاقِ اجل ہیں، ہمیں مرنے کی رضا دیں

روتی تھی جو پردے کے قریں زینبِ دلگیر ۶۴ سب اُس نے مفصّل یہ سُنی بیٹوں کی تقریر
فضّہؑ سے یہ کہنے لگی وہ صاحبِ توقیر دونوں کو اشارے سے بلا لے کسی تدبیر
کچھ کہنا ہے سن لیں اسے، فرصت انھیں گر ہو
عباسؑ نہ دیکھیں، نہ شہِ دیں کو خبر ہو

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکو کار ۶۵ چھوٹے سے یہ فرمانے لگیں زینبِؑ ناچار
کیا باتیں ابھی بھائی سے تھیں اے مرے دلدار اس وقت میں ہو کون سے منصب کے طلبگار
سمجھے نہ کہ مادر عقبِ پردہ کھڑی ہے
گھر لٹتا ہے میرا، تمھیں منصب کی پڑی ہے

واللہ بڑا عزم کیا باندھ کے تلوار ۶۶ بچّو! تمھیں ایسا نہ سمجھتی تھی میں زنہار
دیکھو ابھی تم دونوں سے ہو جاؤں گی بیزار کچھ کہیو نہ ماموں سے خبر دار! خبردار!
کیا دخل تمھیں امر میں سلطانِ اُمم کے
دیکھوں گی نہ پھر منہ جو گئے پاس علم کے

کچھ اور ہی تیور ہیں علم نکلا ہے جب سے ۶۷ تم کون ہو جو آگے بڑھے جاتے ہو سب سے
اِستادہ ہو جا کر عقبِ شاہ ادب سے عہدہ ہے یہ جس کا مجھے معلوم ہے شب سے
اس امر میں خاطر نہ کریں اور کسی کی
میں خوش ہوں بجالائیں وصیت کو علیؑ کی

دو روز سے بھائی پہ مِرے ظلم و ستم ہے ۶۸ تم فکرِ علم میں ہو، مجھے سخت الم ہے
چھوٹے سے ہیں قد، سن بھی تمھارا ابھی کم ہے کھیل اس کو نہ سمجھو، یہ محمدؐ کا علم ہے
ہرگز نہ ابھی کچھ شہِ ذی جاہ سے کہنا
کہنا بھی تو رخصت کے لئے شاہ سے کہنا

۶۹
آقا کی غلامی سے ہے عہدہ کوئی بڑھ کر
مانا کہ پہنچتا ہے تمھیں منصبِ جعفرؑ
عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر
چھوٹا مِرا بھائی بھی ہے بیٹوں کے برابر
بگڑوں گی گلہ گر کوئی اسلوب کروگے
عباسؑ سے کیا تم مجھے مجحوب کروگے

۷۰
یوں کہنے لگے جوڑ کے ہاتھوں کو وہ دلدار
زینبؑ نے عتابانہ جو کی اُن سے یہ گفتار
مالک ہیں جسے چاہیں علم دیں شہِ ابرار
شاہوں سے غلاموں نے بھی کی ہے کبھی تکرار
رخصت کے لئے تیغ وسپر باندھے ہوئے ہیں
ہم صبح سے مرنے پہ کمر باندھے ہوئے ہیں

۷۱
بس اب مِرا دل شاد ہوا اے مِرے پیارو
زینبؑ نے کہا لے کے بلائیں کہ سدھارو
ہو عید مجھے گر عمر و شمر کو مارو
ماں صدقے گئی، سر قدمِ شاہ پہ وارو
یہ وقت ہے امدادِ امامِ ازلی کا
دے چھوٹے سے ہاتھوں میں خدا زورعلیؑ کا

۷۲
تم پہلے فدا کیجیو سر شہ کے قدم پر
صدقے گئی سُن لو کہ میں کہتی ہوں مکرّر
پھر تم مِرے فرزند، نہ میں دونوں کی مادر
میدان میں زخمی ہوئے گر قاسمؑ و اکبرؑ
جب دل ہوا ناراض تو فرزند کہاں کے
کس کام کا وہ لعل جو کام آئے نہ ماں کے

۷۳
زہراؑ کی قسم، منہ نہ میں دیکھوں گی تمھارا
اِن میں سے اگر رن کی طرف ایک سدھارا
اس وقت تمھیں ہوگا مِرا دودھ گوارا
جس وقت سنوں گی کہ سر ان دونوں نے وارا
بے جاں ہوئے بعدان کےتو ماتم نہ کروں گی
دیکھو جو مروں گی بھی تو ناراض مروں گی

تم اُن پہ تصدّق ہو یہی ہے مجھے مطلوب ۷۴ ہیں دونوں بھتیجے مِرے پیارے، مرے محبوب
بے سر دیئے دودھ اپنا میں بخشوں تمھیں کیا خوب جینا نہیں بہتر کسی صورت، کسی اسلوب
ایذا جو اٹھاؤ گے تو راحت بھی ملے گی
جب آئیں گی لاشیں تو یہ دولت بھی ملے گی

جیتے جو رہے دودھ نہ بخشوں گی میں زنہار ۷۵ دیکھو کہے دیتی ہوں خبردار! خبردار!
رکھ دیویں گلا بڑھ کے تہِ خنجرِ خوں خوار شیروں کے یہ ہیں کام کھنچے جس گھڑی تلوار
توڑی ہیں صفیں جنگ میں جب کھیت پڑے ہیں
جنّات کے لشکر سے علیؑ یوں ہیں لڑے ہیں

اِجلالِ حسنؑ، شوکتِ شبیرؑ دکھاؤ ۷۶ اعدا کو مِرے دودھ کی تاثیر دکھاؤ
تن تن کے یدُاللہ کی تصویر دکھاؤ جعفرؑ کی طرح جوہرِ شمشیر دکھاؤ
خورشیدِ امامت سے قرابت میں قریں ہو
تم شیر ہو شیروں کے، حسینوں کے حسیں ہو

حیدرؑ سے دلاور کے دلاور ہو دلیرو ۷۷ جعفرؑ سے نمودار کے دلبر ہو دلیرو
ضر غام ہو، ضیغم ہو، غضنفر ہو دلیرو جرّار ہو، کرّار ہو، صفدر ہو دلیرو
تیروں سے جوانوں کے جگر توڑ کے آؤ
خیبر کی طرح کوفے کا در توڑ کے آؤ

بچّے اسدُاللہ کے ہو، جان پہ کھیلو ۷۸ خندق کی لڑائی کی طرح جنگ کو جھیلو
کوفے کو تہِ تیغ کرو، شام کو لے لو تیغوں میں دھنسو، چھاتیوں سے نیزوں کو ریلو
دو اور جِلا آئینۂ تیغِ عرب کو
لو روم کو قبضے میں تو قابو میں حلَب کو

۷۹
ہاں غازیو! چین و جبش و رنگ سے لو باج
خاقاں کا رہا تخت، نہ قیصر کا رہا تاج
گیتی تہ و بالا ہو، وہ تلوار چلے آج
چڑھنا ہے لڑائی پہ جواں مردوں کو معراج
یوں آئیو چار آئینہ پہنے ہوئے بر میں
جس طرح علیؑ بعدِ ظفر آتے تھے گھر میں

۸۰
جس کے ہیں بس اس کے ہیں، جدھر ہیں بس اُدھر ہیں
میلے نہ ہوں تیور، یہ سپاہی کے ہنر ہیں
صحبت میں مصاحب ہیں، لڑائی میں سپر ہیں
گہہ عطر میں ڈوبے ہیں، گہے خون میں تر ہیں
وہ اور کسی سے نہ جھکیں گے، نہ جھکے ہیں
عزت میں نہ فرق آئے کہ سر پیچ چکے ہیں

۸۱
کس پیار سے منہ دونوں کا تکنے لگے سرور
یہ سُن کے جو نکلے وہ جری خیمے سے باہر
تیّار ہے سب قبلۂ کونین کا لشکر
اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے سبطِ پیمبرؐ
جلدی ہے لڑائی کی اُدھر فوجِ ستم کو
اِرشاد جسے ہو وہ بڑھے لے کے علم کو

۸۲
پیارے مرے محبوب برادر کو بلاؤ
شہ بولے کہ عباسِؑ دلاور کو بلاؤ
جلدی مِرے حمزہؓ، مِرے جعفرؓ کو بلاؤ
عاشق کو، مددگار کو، یاور کو بلاؤ
یہ اوج، یہ رتبہ، یہ حشم اُس کے لئے ہے
زیب اُس سے علم کی ہے، علم اُس کے لئے ہے

۸۳
نازاں ہوا خود اَوج پہ اپنے علمِ شاہ
سب تکنے لگے صورتِ عباسِؑ فلک جاہ
بالیدہ تھا پرچم، تو پھریرا تھا ہوا خواہ
یعنی مرا حامل ہے نشانِ اسدُ اللہ
جان آ گئی تھی سنتے ہی اس خوش خبری کو
پنجہ بھی اشارے سے بلاتا تھا جری کو

خوش ہوکے یہ عمّو کو پکارے علی اکبرؑ ۸۴ جلد آیئے یاد آپ کو فرماتے ہیں سرور
حاضر ہوا جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ صفدر ارشاد کیا شہؑ نے علم بھائی کو دے کر
رکھئے اسے کاندھے پہ یہ ہے آپ کا عہدہ
لو بھائی مبارک ہو تمھیں باپ کا عہدہ

بوسہ دیا عباسؑ دلاور نے علم پر ۸۵ تسلیم کی اور رکھ دیا سر شہؑ کے قدم پر
کی عرض کہ قربان اس الطاف و کرم پر سَو سر ہوں تو صدقے ہیں شہنشاہِ اُمم پر
ادنیٰ جو ابھی تھا اُسے اعلیٰ کیا مولا
قطرے کو ترے فیض نے دریا کیا مولا

اِس چترِ فلک قدر کا سایہ مرے سر پر ۸۶ اس دھوپ میں ہوگا یہ پھریرا مرے سر پر
یہ ابر مرے سر پہ، یہ طوبیٰ مرے سر پر قائم رہیں لاکھوں برس آقا مرے سر پر
سلطانِ دو عالم کی غلامی کے صلے میں
سب اوج یہ نعلین اٹھانے سے ملے ہیں

حضرت نے کہا روکے یہ کیا کہتے ہو پیارے ۸۷ حاضر ہے اگر جان بھی کام آئے تمہارے
حصہ یہ تمہارا تھا تو پہنچا تمھیں بارے مالک ہو تمھیں، ہم تو ہیں اب گور کنارے
تھا دل میں جو کچھ وہ بخدا ہو نہیں سکتا
بھائی ترا حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا

یہ کہہ کے بڑھے سرورِ دیں جانبِ توَسَن ۸۸ ہتھیار لگائے ہوئے، پہنے ہوئے جوشن
اسوار ہوئے آپ جو گردان کے دامن اللہ رے ضیا، خانۂ زیں ہو گیا روشن
وہ پاؤں رکابوں کے لئے باعثِ ضو تھے
خورشید کے قدموں کے تلے دو مہِ نو تھے

زانو کے اشارے سے لگا کوندنے شبدیز ۸۹ اسوار کے دل کا تھا اشارہ اُسے مہمیز
گرماکے جو شبّیرؑ نے تازی کو کیا تیز اعداپہ چلا غول سواروں کا جِلَو ریز
ایک ایک جوانِ عربی رشکِ ملک تھا
اللہ کے لشکر کا علم سربہ فلک تھا

کیا فیضِ سواری تھا کہ زر ریز تھی یہ راہ ۹۰ طالع تھا اُدھر مہر، اِدھر تھا علمِ شاہ
مابینِ دو خورشید تھی فوجِ شہِ ذی جاہ پنجے پہ تجلّی تھی کہ اللہ رے اللہ!
بالا تھی چمک مہرِمنور کی چمک پر
ضَو اُس کی زمیں پر تھی،ضیا اُس کی فلک پر

ایک ایک جواں زیورِ جنگی کو سنوارے ۹۱ نیزوں کے چمک اور وہ سمندوں کے طرارے
جعفرؑ کے جگر بند، یداللہ کے پیارے رستم سے ہر اِک جنگ کرے، شیر کو مارے
سیّاف ہو مرحب سا تو شمشیر سے ماریں
ارجن سے کماندار کو اِک تیر سے ماریں

کم سن کئی لڑکوں کا جدا غول تھا سب سے ۹۲ سوئے بھی نہ تھے ولولۂ جنگ میں شب سے
روکے ہوئے باگوں کو شہِ دیں کے ادب سے اعدا کی طرف دیکھتے تھے چشمِ غضب سے
ہتھیار جو باندھے تھے تو کیا،تن تو کھُلے تھے
سب نیچے تولے ہوئے مرنے پہ تُلے تھے

وہ چاند سا منہ اور وہ گورے بدن اُن کے ۹۳ شرمندہ ہوں غنچے بھی وہ نازک دہن اُن کے
یوسفؑ کی طرح عطر فشاں پیرہن اُن کے مَر کر وہی کپڑے ہوئے آخر کفن اُن کے
کیا حُسنِ عقیدت تھا عجب دل کے جواں تھے
آقا پہ فدا ہونے کو سب ایک زباں تھے

عمریں تو کم و بیش، یہ سب گیسوؤں والے ۹۴ اک غول میں تھے چاند کئی اور کئی ہالے
ذی مرتبہ سیدانیوں کی گود کے پالے غنچہ تھا وہ سب اکبرؑ گل رو کے حوالے
ان تازہ نہالوں میں نمو دار یہی تھے
اس گلشنِ یک رنگ کے مختار یہی تھے

مقتل کو جو پُر نور کیا عسکرِ دیں نے ۹۵ دیکھا طرفِ چرخ حقارت سے زمیں نے
اونچا نہ کیا سر فلکِ ماہ جبیں نے کی فرش پہ حسرت سے نظر عرشِ بریں نے
اٹھ اٹھ کے چمک اپنی دکھانے لگے ذرّے
خورشید کے پہلو کو دبانے لگے ذرّے

کھولا جو پھریرے کو علمدارِ جری نے ۹۶ لُوٹے گُلِ فردوس نسیمِ سحری نے
تاروں کو اتارا فلکِ نیلوفری نے پرچم جو کھلا، کھول دیئے بال پری نے
عیسیٰؑ نے پکارا کہ نثار اس کے حشم کے
خورشید نے منہ رکھ دیا پنجے پہ علم کے

ترتیبِ صفِ فوج کا جس دم ہوا اِعلام ۹۷ باندھی علی اکبرؑ نے صفِ لشکرِ اسلام
ظاہر جو ہوئی شانِ جوانانِ گل اندام کوفے کے نشاں جھک گئے، کانپی سپہِ شام
اللہ رے شوکت شُرَفاء ونُجَبا کی
اسلام کا لشکر تھا کہ قدرت تھی خدا کی

ناگاہ بجا طبل، بڑھا لشکرِ سفّاک ۹۸ تا چرخ گیا غلغلۂ کوسِ شغب ناک
فریاد سے قرنا کی ہلا گنبدِ افلاک تھرّا گیا آوازِ دُہل سے کُرہِ خاک
نوبت تھی زبس قتلِ امامِ مدنی کی
صاف آتی تھی تاشوں سے صدا سینہ زنی کی

ایک ایک جری جھومتا تھا تول کے شمشیر ۹۹ واں شور تھا باجوں کا، اِدھر نعرۂ تکبیر
عباسِؑ علمدار نے دیکھا رخِ شبیرؑ ناگاہ سُوئے فوجِ خدا آنے لگے تیر
کی عرض کہ لڑنے کو شریر آتے ہیں مولا
کیا حکم ہے اب پیاسوں پہ تیر آتے ہیں مولا

ہفتاد و دو تن یاں ہیں، اُدھر سیکڑوں گمراہ ۱۰۰ شہ نے کہا شرم آتی ہے کیا حکم میں دوں آہ
یہ شیرِ نیستانِ علیؑ ہیں تو وہ رُوباہ غازی نے یہ کی عرض کہ اے کُل کے شہنشاہ
لاکھوں ہیں تو کیا ڈر ہے شجاعانِ عرب کو
اقبال سے آقا کے بھگا دیتے ہیں سب کو

پانی نہیں ملتا کہ لبِ خشک کریں تر ۱۰۱ فرمایا کہ فاقے سے ہے سارا مِرا لشکر
غازی نے کہا شیرِ گرسنہ ہیں یہ صفدر بہتر ہے اگر پہلے کٹے تن سے مِرا سر
حملوں سے الٹ دیں گے پرے فوجِ عدو کے
بھوکے ہیں یہ زخموں کے تو پیاسے ہیں لہو کے

معلوم ہے سب آج جدا ہوویں گے ہم سے ۱۰۲ حضرت نے کہا خیر! لڑو فوجِ ستم سے
کٹ جائے گا اپنا بھی گلا تیغِ دو دم سے دنیا سے نہ مطلب ہے، نہ کچھ جاہ وحشم سے
مقبول ہیں وہ جو مِری امداد کریں گے
اس جنگ کو بھی لوگ بہت یاد کریں گے

جانباز بڑھے فوج سے چلنے لگی تلوار ۱۰۳ جس دم یہ سُنی قبلۂ کونین کی گفتار
چوٹی کے جواں بھاگ گئے پھینک کے ہتھیار تھے پیاسوں کے حملے غضبِ حضرتِ قہّار
کون آنکھ ملا سکتا تھا شیروں سے عرب کے
جب کرتے تھے نعرے، قدم اٹھ جاتے تھے سب کے

لڑتا تھا غضب ایک ایک کے بعد ایک وفادار ۱۰۴ دن چڑھتا تھا یاں، گرم تھا واں موت کا بازار
سر بیچتے تھے جنسِ شہادت کے طلب گار بڑھ بڑھ کے خریدار پہ گرتا تھا خریدار
لیں پہلے ہم ایک ایک کی جاں، اس کی پڑی تھی
عقبیٰ کا جو سودا تھا تو قیمت بھی بڑی تھی

آیا جو عزیزوں کے لئے موت کا پیغام ۱۰۵ فرزندوں نے جعفرؑ کے بڑے رن میں کئے نام
اولادِ عقیلؑ آچکی شبیرؑ کے جب کام لڑنے کو گئے مسلمِؑ بیکس کے گُل اندام
تھا حشر بپا، ندّیاں بہتی تھیں لہو کی
بچوں نے الٹ دی تھی صفیں فوجِ عدو کی

لشکر میں تلاطم تھا غضب چلتی تھی تلور ۱۰۶ بیتاب تھے یاں زینبؑ ناشاد کے دلدار
منہ دیکھ کے حضرت کا یہی کہتے تھے ہر بار ہم جائیں گے بعد ان کے سوئے لشکرِ کفار
جی جائیں جو مولا ہمیں مرنے کی رضا دیں
ایسا نہ ہو قاسمؑ کو حضور اذنِ وغا دیں

کچھ ان سے کہا چاہتے تھے سرورِ ذی شاں ۱۰۷ جو غل ہوا مارے گئے مسلم کے دل وجاں
لاشے بھی اُدھر آچکے سب خون میں غلطاں پھر ہاتھوں کو جوڑا کہ ملے رخصتِ میداں
شہ نے کہا یہ داغ تو دشوار ہے ہم پر
ان دونوں نے سر رکھ دیئے ماموں کے قدم پر

حضرت نے کہا ماں سے بھی ہو آئے ہو رخصت ۱۰۸ کیا کہتے ہو، لٹوادوں میں ہمشیر کی دولت
مایہ ہو تمھیں اس کا، تمھیں اس کی بضاعت چھوٹے نے یہ حضرت سے کہا تھام کے رقّت
جھوٹے نہیں ہم، آپ ابھی پوچھ لیں سب سے
امّاں تو رضا دے چکی ہیں مرنے کی کب سے

۱۰۹
اُن دونوں کا منہ دیکھ کے رونے لگے شبیر　　بچوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر
اچھا میں رضامند ہوں جو مرضیٔ ہمشیر　　فرمایا چھڑاتا ہے تمھیں بھی فلکِ پیر
وہ سیّدۂ پاک، نواسی ہے نبیؐ کی
فیّاض ہے، ہمشیر ہے، بیٹی ہے سخی کی

۱۱۰
خورشید کے آگے مہِ نو بن گئے دو ماہ　　یہ سن کے جھکے آخری تسلیم کو ذی جاہ
وہ شیر چلے گھوڑوں پہ چڑھ کر سُوئے جنگاہ　　کی سُوئے فلک دیکھ کے شبیرؑ نے اک آہ
ماں ڈیوڑھی پہ چلّائی کہ رخصت ہو مبارک
سرکارِ شہنشاہ سے خلعت ہو مبارک

۱۱۱
تم جاتے ہو یا جاتی ہے دولھا کی سواری　　سلطانِ دو عالم نے مُخلّع کیا واری
لو دُور سے لیتی ہوں بلائیں میں تمھاری　　پروان چڑھے ختم ہوئیں شادیاں ساری
صدقے گئی نیزوں کو ہلاتے ہوئے جاؤ
شکلیں مجھے پھر پھر کے دکھاتے ہوئے جاؤ

۱۱۲
دل ماں کا یہ امڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو　　تسلیم کو گھوڑوں سے جھکے دونوں وہ گلرُو
پھر دیکھنے پائی نہ انھیں زینبؑ خوشخُو　　باگیں جو اٹھائیں تو فرس بن گئے آہو
میداں کی طرف یاس سے ماں رہ گئی تک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

۱۱۳
گویا کہ بہم حیدرؑ و جعفرؓ نظر آئے　　میداں میں عجب شان سے وہ شیر نر آئے
افلاک سے بالائے زمیں دو قمر آئے　　غل پڑ گیا حضرت کی بہن کے پسر آئے
یوسفؑ سے فزوں حُسنِ گراں مایہ ہے ان کا
یہ دھوپ بیاباں میں نہیں، سایہ ہے ان کا

وہ بدر سے رخسار، زہے قدرتِ داور ۱۱۴ وہ چاند سے منہ اور وہ گیسوئے مُعنبر
چتون وہی، غصہ وہی، سارے وہی تیور سب شان یداللہ کی، سب شوکتِ حیدرؑ
یہ دبدبہ کس صاحبِ شمشیر نے دیکھا
دیکھا جسے، معلوم ہوا شیر نے دیکھا

چھاتی سے لگا لیتے تھے دونوں کو یداللہ ۱۱۵ تن تن کے جو شان اپنی دکھاتے تھے وہ ذی جاہ
کھیلے ہوئے تیغوں میں، فنِ جنگ سے آگاہ شمشاد سے قامت، نہ دراز اور نہ کوتاہ
ناخن سے دلیروں کے سب انداز وغا تھے
بچّے تھے، مگر بچۂ ضرغامِ خدا تھے

پیشانی و ابرُو و سر و صدرو گلُو ایک ۱۱۶ تھے حُسن میں ان دونوں کے آئینۂ رُو ایک
دل ایک، جگر ایک، جسد ایک، لہو ایک شان ایک، شکوہ ایک، جو رنگ ایک تو بو ایک
اور ان سا کوئی غرب سے تا شرق نہیں ہے
دو ٹکڑے ہیں اک سیب کے کچھ فرق نہیں ہے

اللہ ری فصاحت، فصحا ہوگئے ششدر ۱۱۷ پڑھنے لگے اشعارِ رجز جب وہ دلاور
ہر مصرعِ بر جستہ میں تھی تیزئ خنجر ہر بیت تھی دشمن کے لئے تیغِ دوپیکر
دے کون جواب ان کا کہ دم بند تھا سب کا
واں قافیہ تھا تنگ، شجاعانِ عرب کا

سب پڑھنے لگے صلِّ علٰی صاحبِ اسلام ۱۱۸ اظہارِ نسب میں جو محمدؐ کا لیا نام
دِل ہل گئے تھرّانے لگا روم سے تا شام آگے جو بڑھے نامِ علیؑ لے کے وہ گلفام
جعفرؑ کا جو کچھ ذکر کیا بعد علیؑ کے
مُجرے کو علم جھک گئے سب فوجِ شقی کے

آغاز تھا ذکرِ شرفِ حضرتِ شبیرؑ　۱۱۹　ڈنکے پہ اُدھر چوب لگی چلنے لگے تیر
اس وقت بڑے بھائی نے کی چھوٹے سے تقریر　تلوار علم کیجئے اب کس لئے تاخیر
کہیے تو جدا ہو کے ستم گاروں پہ جائیں
اسواروں میں ہم، آپ کمانداروں میں جائیں

فرمایا بڑے بھائی نے ہنس کر، نہیں بھائی　۱۲۰　تم جان ہو، دشوار ہے دم بھر کی جدائی
ہو جاتی ہے اک آن میں ہر صف کی صفائی　کر دیتے ہیں سر، کونسی ایسی ہے لڑائی
بازو ہوں قوی ہاتھ سے گر ہاتھ نہ چھوٹے
سر تن سے اتر جائے مگر ساتھ نہ چھوٹے

نانا کی طرح فوج پہ حملے کریں آؤ　۱۲۱　تلواروں میں تن تن کے چلو، برچھیاں کھاؤ
ان چھوٹے سے ہاتھوں کا ہمیں زور دکھاؤ　ہم سینہ سپر تم پہ ہوں، تم ہم کو بچاؤ
ہم شیروں پہ رستم کا بھی منہ پڑ نہ سکے گا
جب دو ہوئے اک دل تو کوئی لڑ نہ سکے گا

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ بہتر　۱۲۲　بس کھینچ لئے تیغے دونوں نے برابر
دو بجلیاں کوندیں کہ لرزنے لگے لشکر　نیزوں کے نیستاں میں در آئے وہ غضنفر
برباد کیا رو میں سواروں کو دبا کے
رہوار بھی اسوار تھے گھوڑوں پہ ہوا کے

اُن چھوٹی سی تلواروں کے تھے کاٹ نرالے　۱۲۳　تھیں کہنیاں پہنچوں سے جدا، ہاتھوں سے بھالے
مِسَل اپنی جمائے تھے جو بے مثل رسالے　تھے جائزہ ان سب کا یہی دیکھنے والے
ناز اپنے ہنر پر تھا شجاعانِ عرب کو
نیزوں کو قلم کرکے ندارد کیا سب کو

۱۲۴
جب ہاتھ بڑھا، پاؤں پہ کٹ کٹ کے سر آئے
موت آئی اُدھر نیمچے دونوں جدھر آئے
خالی نہ پھرے، جس پہ گئے خوں میں بھر آئے
گر سینے تک آئے تو کبھی تا کمر آئے
ہر نیمچہ بجلی تھا ستمگاروں کے حق میں
ڈوبے ہوئے تھے دومہِ نوخوں کی شفق میں

۱۲۵
سر خود کا جھک جاتا تھا، تلوار کی گردن
اٹھتی تھی نہ ڈر سے کسی خوں خوار کی گردن
اسوار کا سر اُڑ گیا، رہوار کی گردن
دوچار کے منہ کٹ گئے، دوچار کی گردن
دو نیمچے بجلی سے گزرتے تھے کمر سے
آدھے ہوئے جاتے تھے لعیں جان کے ڈر سے

۱۲۶
معصوموں کے ہاتھوں سے کرامت نظر آئی
دو چھوٹی سی تیغوں سے قیامت نظر آئی
لوہے کی سپر بھی نہ سلامت نظر آئی
سر کٹنے کی اعدا کے علامت نظر آئی
بے وجہ نہ پھر جاتے تھے منہ اہلِ جفا کے
دریا کے تھپیڑے تھے، طمانچے تھے قضا کے

۱۲۷
جوشن کو دکھاتے ہوئے جوہر نکل آئے
گردن سے بڑھے، کاٹ کے پیکر نکل آئے
صابون سے دو تار برابر نکل آئے
چار آئینہ میں تیر کے باہر نکل آئے
محراب کے نیچے کسے جھکتے نہیں دیکھا
مچھلی کو بندھے پانی میں رکتے نہیں دیکھا

۱۲۸
دستانے کہیں تھے، کہیں ڈھالیں، کہیں مغفر
ہر غول میں غلطان و طپاں تھے سرو پیکر
منہ خوف سے ڈھالوں میں چھپاتے تھے ستمگر
جب نیمچے ان دونوں کے اٹھتے تھے برابر
روکے انھیں، طاقت یہ نہ تھی پیرو جواں کی
صورت نظر آنے لگی تیغِ دو زباں کی

غارت تھی وہ صف جس سے وغا کرکے پھرے وہ　۱۲۹　دو ہاتھ میں سَو سَو کو فنا کرکے پھرے وہ
سرداروں کے سرتن سے جدا کرکے پھرے وہ　　ہر غول میں اک حشر بپا کرکے پھرے وہ
غل تھا کہ پرے ٹوٹے ہوئے جم نہیں سکتے
سر کٹنے کی دہشت سے قدم تھم نہیں سکتے

گھوڑے تھے چھلاوا، کبھی یاں تھے کبھی واں تھے　۱۳۰　پُتلی میں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
یاں تھے جو سبک رَو تو اُدھر گرمِ عناں تھے　　بجلی تھے کسی جا، تو کہیں آبِ رواں تھے
ہوسکتی تھی بجلی سے یہ سرعت، نہ ہرن سے
جھونکے تھے ہوا کے، کہ نکل جاتے تھے سن سے

بے آب تھے دو دن سے پہ جاں دار تھے گھوڑے　۱۳۱　ہر مرتبہ اُڑ جانے پہ تیار تھے گھوڑے
اِس پار کبھی تھے، کبھی اس پار تھے گھوڑے　　نقطہ تھی وہ سب فوج کہ پرکار تھے گھوڑے
دس بیس جو مر جاتے تھے ٹاپوں سے کچل کے
بڑھ سکتا نہ تھا اک بھی احاطے سے اجل کے

تانے ہوئے سینوں کو جدھر جاتے تھے دونوں　۱۳۲　تلواروں کی موجوں سے گزر جاتے تھے دونوں
ہر غول میں بے خوف و خطر جاتے تھے دونوں　　سب ہوتے تھے پسپا تو ٹھہر جاتے تھے دونوں
اُلٹی ہوئی صف دیکھ کے ہنس دیتا تھا کوئی
بھائی کی طرف دیکھ کے ہنس دیتا تھا کوئی

دم لے کے جو گھوڑوں کو اُڑاتے تھے وہ جرار　۱۳۳　اعدا کے رسالوں کو بھگاتے تھے وہ جرار
شیروں کی طرح فوج پہ جاتے تھے وہ جرار　　دو کرتے تھے، یکتا جسے پاتے تھے وہ جرار
شیروں نے جو مارا بھی تو رُوداروں کو مارا
جب آنکھ مِلی، چن کے نموداروں کو مارا

جو فوج کی جاں تھے، انھیں بے جاں کیا دم میں ۱۳۴ جَمعِیَّتِ لشکر کو پریشاں کیا دم میں
سر کاٹ کے خوں خواروں کو غلطاں کیا دم میں تلواروں سے جنگل کو گلستاں کی دم میں
بے دست تھے علموں کو جو بے دین لئے تھے
بچوں نے جوانوں کے نشاں چھین لئے تھے

تیغ ایک کی چلتی تھی تو اک بھائی کا بھالا ۱۳۵ دولاکھ کو دونوں نے کیا تھا تہ و بالا
دم اِس نے لیا، اُس نے لڑائی کو سنبھالا اک بڑھ گیا گر ایک نے گھوڑے کو نکالا
یک جا فرسِ تیز قدم ہوگئے دونوں
جب بھیڑ بڑھی کچھ تو بہم ہوگئے دونوں

دم بھر میں پیادوں کو یہ پامال کر آیا ۱۳۶ وہ چھیڑ کے تازی کو سواروں میں در آیا
جاں آگئی جب بھائی کو بھائی نظر آیا جب شیر سا پہنچا وہ اُدھر یہ اِدھر آیا
بچ بچ کے نکلتے تھے جو نیزوں کے تلے سے
اک بھائی لپٹ جاتا تھا بھائی کے گلے سے

بچ جانے کی بھائی کے دعا کرتا تھا بھائی ۱۳۷ کچھ بھائی سے بڑھ کر جو وغا کرتا تھا بھائی
ہر وار پہ بھائی کی ثنا کرتا تھا بھائی حق بھائی کی الفت کا ادا کرتا تھا بھائی
تم سا نہیں صفدر کوئی واللہ برادر
کیا خوب لڑے، سلَّمکَ اللہ برادر

بھائی میں بھگا دوں ابھی ان کو جو مِلے آب ۱۳۸ کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا بصد آداب
سینہ میں مرا دل نہیں، آتش پہ ہے سیماب اب پیاس کی گرمی سے کلیجے کو نہیں تاب
ہم لوگ مُحِق کیا نہیں اس آبِ رواں کے
تالو میں خلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

کہتا تھا بڑا بھائی میں صدقے ترے گلفام ۱۳۹ ہم خشک زبانوں کو بھلا پانی سے کیا کام
اب جلد اجل آئے تو کوثر کا پئیں جام غش ہم کو بھی آجائے گا پانی کا نہ لو نام
آنکھیں تو ستم گاروں کی تیغوں سے لڑی ہیں
چپکے رہو، امّاں درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں

اس نہر کا لینا تو کچھ ایسا نہیں مشکل ۱۴۰ روکیں ہمیں کیا تاب لعینوں کی ہے، کیا دل
پُل باندھ لیں لاشوں کے ابھی ہم سرِ ساحل بتلایئے پھر نہر کے لے لینے سے حاصل
دیکھو نہ اُدھر پیاس سے گو لاکھ تعَب ہے
امّاں ہمیں گر دودھ نہ بخشیں تو غضب ہے

اشک آنکھوں میں بھر کر کہا چھوٹے نے بہت خوب ۱۴۱ ہر دم ہے رضامندیٔ مادر ہمیں مطلوب
ایسے تو نہیں ہم کہ بزرگوں سے ہوں محجوب منظور یہ تھا فخر کا نکلے کوئی اسلوب
دریا کو بھی دیکھیں گے نہ اب آنکھ اٹھا کے
پیتے بھی تو پہلے شہِ والا کو پلا کے

جعفرؑ کے جو پوتے ہیں تو حیدرؑ کے نواسے ۱۴۲ کچھ ہم علی اکبرؑ سے زیادہ نہیں پیاسے
یہ کہتے ہی لڑنے لگے پھر اہل جفا سے فریاد کہ بچوں پہ گری فوج قضا سے
خون سر کا بہا منہ پہ تو گھبرا گئے دونوں
دو لاکھ کی تیغوں کے تلے آگئے دونوں

ڈوبے ہوئے تھے شام کے بادل میں وہ دو ماہ ۱۴۳ پردے سے کھڑی تکتی زینبؑ سوئے جنگاہ
عباسؑ سے کہتے تھے تڑپ کر شہِ ذی جاہ اب مجھ سے جدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیونکر متحمّل ہو دل اس رنج و محن کا
گھر لٹتا ہے بھائی مری نادار بہن کا

اس بی بی کے فاقوں سے ہیں پالے ہوئے یہ لال　۱۴۴　دولت ہے یہی اور یہی حشمت و اقبال
سات آٹھ برس کے ہیں ابھی کیا ہے سن وسال　　سب ہاتھ ملیں گے جو یہ گُل ہو گئے پامال
تازہ یہی دو پھول ہیں جعفرؑ کے چمن میں
مرجائے گا باپ ان کی خبر سن کے وطن میں

روکر دمِ رخصت وہ یہی کہتے تھے ہر بار　۱۴۵　میں شاہ کا خادم ہوں یہ دونوں ہیں نمک خوار
آگاہ صعوباتِ سفر سے نہیں زنہار　　اے دُخترِ زہراؑ مرے بیٹوں سے خبر دار
میں کہہ نہیں سکتا ہوں کہ ماموں پہ فدا ہیں
اب تو یہی دونوں مری پیری کے عصا ہیں

شوہر کا تڑپنا اسے کچھ بھی نہ رہا یاد　۱۴۶　ہے ہے مری الفت میں لٹی زینبؑ ناشاد
یوں بھائی پہ صدقے کوئی کرتا نہیں اولاد　　ہم دیکھتے ہیں اور بہن ہوتی ہے برباد
روئے گی وہ بیٹوں کو تو سمجھائیں گے کیونکر
منہ زینبِ دلگیر کو دکھلائیں گے کیونکر

عباسؑ نے کی عرض کلیجہ ہے دو پارا　۱۴۷　ان کو تو کسی کی نہیں امداد گوارا
زخمی ہوئے اور مجھ کو نہ اکبرؑ کو پکارا　　جائے یہ غلام، آپ جو فرمائیں اشارا
حضرت کی قسم دے کے میں سمجھاؤں گا ان کو
مچلیں گے تو گودی میں اٹھا لاؤں گا ان کو

حضرت نے کہا صاحبِ عزت ہیں وہ دونوں　۱۴۸　لختِ جگرِ شاہِ ولایت ہیں وہ دونوں
ضرغامِ نیستانِ شجاعت ہیں وہ دونوں　　واللہ بڑے صاحبِ ہمت ہیں وہ دونوں
دو لاکھ تو کیا ہیں جو کروڑوں میں گھریں گے
بے جان دیے وہ نہ پھرے ہیں نہ پھریں گے

اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ میں جاتا ہوں یا شاہ ۱۴۹ بڑھنے لگے میداں کی طرف قاسمِ ذی جاہ
لاکھوں میں ہیں تنہا پھوپی اماں کے پسر آہ ہے دونوں کی فرقت کا مجھے صدمۂ جاں کاہ
ریتی پہ کہیں گر نہ پڑیں برچھیاں کھا کر
میں ساتھ انھیں لے آتا ہوں اعدا کو بھگا کر

سر ننگے میں نکلوں گی جو تم جاؤ گے، واری ۱۵۰ گھبرا کے درِ خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری
بتلاؤ تو میں ان کی ہوں عاشق کہ تمھاری اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پیاری
میداں کی طرف قاسمِ بے پر بھی نہ جائیں
تلواروں میں عباسِؑ دلاور بھی نہ جائیں

بھائی پہ تصدق ہوں یہی تھا مجھے ارمان ۱۵۱ زہراؑ کی قسم کچھ نہیں بیٹوں کا مجھے دھیان
صدقے کو نہیں پھیر کے لاتے ہیں، میں قربان وہ آئے تو وسواس سے دل ہوگا پریشان
خود روؤں گی پر شاہ کو غم کھانے نہ دوں گی
لاشے بھی اٹھانے کے لئے جانے نہ دوں گی

مرجاؤں گی زخمی ہوئے گر قاسمؑ دلگیر ۱۵۲ میداں میں ہے کیا اور بجز نیزہ و شمشیر
سمجھاؤ میں صدقے گئی کیوں روتے ہیں شبیرؑ دل کس کا چھدے تم کو لگائے جو کوئی تیر
باقی ہے اگر زیست تو پھر آئیں گے دونوں
غم کس لئے، کیا ہوگا جو مرجائیں گے دونوں

میں جوڑتی ہوں ہاتھ بس اب روئیں نہ لِلہ ۱۵۳ شہزادوں کو کھوتے ہیں غلاموں کے لئے آہ
سَو ایسے ہوں بیٹے تو نثارِ شہِ ذی جاہ ہے شرم کی یہ وجہ میں لونڈی، وہ شہنشاہ
ممتاز ہے، فدیہ ہے جو زہراؑ کے پسر کا
شان اس کی بڑھے، فخر ہو جو جدّ و پدر کا

زہراؑ کے کلیجے کے عوض برچھیاں کھاتا ۱۵۴ باپ ان کا اگر ہوتا تو وہ سر نہ کٹاتا
اپنے کوئی محسن کو نہیں دل سے بھلاتا بیٹوں کو یونہی میری طرح نذر کو لاتا
جو پاس ہے اس کے وہ عطائے شہِ دیں ہے
کہہ دے مرے ماں جائے کہ حق کس کا نہیں ہے

سر پر مرے دنیا میں سلامت رہیں بھائی ۱۵۵ بیٹوں سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی
کیا لٹ گیا، وہ کون سی ایسی تھی کمائی اک دولتِ اولاد لٹائی تو لٹائی
کیوں روؤں میں دنیا میں جو دلبند نہیں ہیں
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہیں ہیں

لو شاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے ۱۵۶ یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے
وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو عرش کے تارے ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے
پامالی کو ان دونوں کی اسوار بڑھیں گے
بچوں کے سر اب کٹ کے نشانوں پہ چڑھیں گے

گھبرا کے اٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس ۱۵۷ یہ سنتے ہی تھرّانے لگے حضرتِ عباسؑ
سب نے کہا لو شہ کی بہن ہوگئی بے آس سر کھولے ہوئے بیبیاں ڈیوڑھی کے جو تھیں پاس
ٹوٹا ہے فلک بنتِ شہنشاہِ نجف پر
زینبؑ کو چلو لے کے بس اب ماتمی صف پر

زینبؑ بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا ۱۵۸ ہے ہے کا جو اک شور ہوا رانڈوں میں برپا
بھائی ہیں سلامت مجھے کیوں دیتے ہو پُرسا چلّائی ارے چپکے رہو، غل ہے یہ کیسا
ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائیں گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مر جائیں گے شبیرؑ

دامانِ مژہ بھی نہیں اشکوں سے بھگوتی ۱۵۹ تم روتے ہو کس واسطے میں تو نہیں روتی
دولت کوئی ماں جائے سے پیاری نہیں ہوتی دل ہوتا جو ایسا ہی تو کیوں بیٹوں کو کھوتی
قائم رہے اقبال محمدؐ کے خلف کا
بس نام بھرے گھر میں نہ لو ماتمی صف کا

اک شب کی دلھن گھر میں ہے، اس کا بھی نہیں پاس ۱۶۰ سر اپنے نہ کھولو کہ مجھے آتا ہے وَسواس
اکبرؑ مری امیّد ہے ،قاسمؑ ہے مری آس شبیرؑ تو سر پر ہیں، جو بیٹوں سے ہوئی یاس
اب خلد میں نانی کے قریں جائیں گے دونوں
کیا پیٹنے رونے سے چلے آئیں گے دونوں

تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار ۱۶۱ باتیں یہ کہیں سب سے، پہ سنبھلا نہ دلِ زار
مہماں کوئی ساعت کے ملے وہ جگر افگار واں لاشوں پہ روتے ہوئے پہنچے شہِ ابرار
کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

جھک آئے تھے کٹ کٹ کے مہِ نو سے وہ ابرو ۱۶۲ رُخ زرد تھے اور خاک میں آلودہ تھے گیسو
مہتاب سی وہ چھاتیاں اور تیر سہ پہلو تلواروں سے ٹکڑے تھے وہ بلّور سے بازو
پُھنکتا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے
ہونٹوں پہ زبانیں نکل آئی تھیں عطش سے

'ہے ہے' کہا اور لاشوں سے لپٹے شہِ صفدر ۱۶۳ ٹکڑے ہوا سینے میں دلِ سبطِ پیمبرؐ
بالیں پہ حضور آئے ہیں چونکو تو برادر چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش میں آکر
مشاق تھے تم سیدِ ذی جاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدارِ شہنشاہ کو دیکھو

سُن کے یہ صدا غش سے جو چونکا وہ دل افگار ۱۶۴ دونوں نے رکھا سر قدمِ شاہ پہ اک بار
اکبرؑ سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار دشمن ہیں بہت قبلۂ عالم کے خبردار
ہم دونوں غلاموں کا نہ غم کھائیو بھائی
سر پیٹیں جو امّاں، انھیں سمجھائیو بھائی

یہ کہہ کے لگے ہچکیاں لینے جو وہ پیارے ۱۶۵ بس موت کے آثار نمایاں ہوئے سارے
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیرؑ پکارے ماموں سے بچھڑتے ہو، میں قربان تمھارے
پھر کی نہ کوئی بات، سفر کر گئے دونوں
آنسو تھے رواں آنکھوں سے اور مر گئے دونوں

حضرت کے جو رونے کی صدا خیمے میں آئی ۱۶۶ رانڈوں نے ادھر ماتمی صف گھر میں بچھائی
زینبؑ نے کہا ہائے غضب روتے ہیں بھائی فضہ یہ پکاری کہ دہائی ہے دہائی
لو چاک گریبان کئے آتے ہیں شبیرؑ
معصوموں کے لاشوں کو لئے آتے ہیں شبیرؑ

بیٹھی صفِ ماتم پہ اُدھر شاہ کی خواہر ۱۶۷ سیدانیوں نے اٹھ کے ادھر کھول دیئے سر
لاشوں کو لئے آئے جو گھر میں شہِ صفدر زینبؑ کے قریں بیٹھ گئے سر کو جھکا کر
فرمایا کہ لو لختِ جگر آئے تمھارے
لو دودھ انھیں بخشو پسر آئے تمھارے

شبیرؑ نے جب دودھ کا زینبؑ سے لیا نام ۱۶۸ ہر چند کیا ضبط پہ تھرّا گیا اندام
دل تھام کے کہنے لگی وہ بیکس و ناکام آپ ان سے رضا مند ہیں یا شاہِ خوش انجام
فرمایا دل ان دونوں سے واللہ خوشی ہے
میں ان سے خوشی ہوں، مرا اللہ خوشی ہے

عاشق تھے مرے اور مرے غمخوار تھے دونوں　۱۶۹　بچّے تھے، مگر صادق الاقرار تھے دونوں
اس وقت میں ماموں کے مددگار تھے دونوں　حیدرؑ کی طرح صفدر و جرار تھے دونوں
موت آئے کہ داغوں سے دل اب بھر گیا زینبؑ
دونوں یہ نہیں مر گئے، میں مر گیا زینبؑ

افسوس کہ ان دونوں کی دیکھی نہ جوانی　۱۷۰　میں کیا کہوں کیا صاحبِ ہمت تھے یہ جانی
ہوتی ہے بہت زخمیوں کو تشنہ دہانی　پر ہم سے دمِ مرگ بھی مانگا نہیں پانی
سمجھے کہ گرفتارِ ستم آج ہے ماموں
وہ جانتے تھے پانی کو محتاج ہے ماموں

ہمشیر سے یہ کہہ کے جو روئے شہِ ابرار　۱۷۱　بس آ گیا فرزندوں کی ہمت پہ اسے پیار
تھرّاتی ہوئی خاک سے اٹّھی وہ دل افگار　پاس آن کے لاشوں کے بلائیں لیں کئی بار
کانپے جو قدم، گر کے سنبھلنے لگی زینبؑ
منہ خون بھرے چہروں سے ملنے لگی زینبؑ

دیکھا جو لہو بچوں کا، چھاتی امنڈ آئی　۱۷۲　نزدیک تھا مرجائے یداللہ کی جائی
پر فاطمہؑ کے صبر کی شان اس نے بڑھائی　سب سے یہ کہا نیک لگی میری کمائی
بچے مرے قرباں ہوئے احسان خدا کا
اے بی بیو صدقہ ہے یہ شاہِ شہدا کا

روکر شہِ والا نے کہا صدقے میں تم پر　۱۷۳　دم بھر انھیں رولو کہ یہ مہمان ہیں خواہر
بانوؔ نے اشارہ کیا اے سبطِ پیمبرؐ　قربان گئی آپ بس اب جایئے باہر
گر ضبط اسی طرح سے فرمائیں گی زینبؑ
یہ ماتمِ اولاد ہے، مرجائیں گی زینبؑ

روتے ہوئے خیمے سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ ۱۷۴ فرزندوں کو چلّانے لگی زینبؑ ذی جاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہیں آہ   صدقے گئی جاؤ شہِ کونین کے ہمراہ
زخمی ہوئے شبیرؑ تو جان اپنی میں دوں گی
اچھا میں تمھی دونوں سے ماں جائے کو لوں گی

لو نیمچے کاندھوں پہ دھرو اے مرے پیارو ۱۷۵ تنتے ہوئے شبیرؑ کے ہمراہ سدھارو
گو پیاسے ہو دو دن کے پہ ہمت کو نہ ہارو   یہ خون میں ڈوبے ہوئے کپڑے تو اتارو
اٹھ بیٹھو میں صدقے گئی اتنا نہیں سوتے
اس طرح تو جاگے ہوئے دولھا نہیں سوتے

سوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل ۱۷۶ بچّو! تمھیں کیا سُن کے کہیں گے شہِ عادل
دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ ماں صورتِ بسمل   سلجھاؤ یہ زلفیں کہ الجھتا ہے مرا دل
کیا غش میں ہو، یہ سونے کا نقشہ نہیں ہوتا
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہیں سوتا

پھر دونوں کے سر زانوؤں پر رکھ کے پکاری ۱۷۷ لو اب ہوا معلوم کہ تم مر گئے، واری
بیہوشی میں کچھ مجھ کو خبر تھی نہ تمھاری   اب آنکھوں سے چھپ جائیں گی یہ صورتیں پیاری
دنیا کو نہ دیکھا کہ اجل آگئی بچو!
ہے ہے یہ تمھیں کس کی نظر کھا گئی بچو!

بچو! تمھیں قسمت نے نہ پروان چڑھایا ۱۷۸ حسرت رہی ماں نے تمھیں دولھا نہ بنایا
پیدا ہوئے جس دن سے کبھی چین نہ پایا   دیکھی نہ جوانی کہ پیامِ اجل آیا
ہے ہے چمنِ دہر میں پھولے نہ پھلے تم
جب فصلِ بہاری کے دن آئے تو چلے تم

دروازے پہ دم بھر کے لئے آ نہ گئے تم ۱۷۹ میں روتی تھی در پر مجھے سمجھا نہ گئے تم
پیاسے تھے مگر جانبِ دریا نہ گئے تم ہے ہے دلھنیں بھی مجھے دکھلا نہ گئے تم
جیتی ہے وہ ماں جس کے گزر جانے کے دن تھے
یہ بیاہ کی راتیں تھیں کہ مر جانے کے دن تھے

کافی ہے رلانے کو تری درد کی گفتار ۱۸۰ خاموش **انیسؔ** اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار
فیاض ہے لیکن شہؑ مظلوم کی سرکار اس جنس کا گر آج نہیں کوئی خریدار
افسردہ نہ ہو غنچۂ اُمید کھِلے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا